Oriental College Magazine, Vol.101, No. 02, Serial No. 380, 2025

مقامیت کی شناخت: دیپک بُدکی کے ناولوں کا جائزہ

منیر عباس
پی ایچ ڈی سکالر (اردو)، منہاج یونیورسٹی لاہور
منور امین، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر اردو، یونیورسٹی آف سدرن پنجاب، ملتان

The Identity of Localism: An Analysis of Deepak Budki's Novels

Munir Abbas
PhD Research Scholar (Urdu)
Minhaj University Lahore

Munawar Amin, PhD
Assistant Professor of Urdu
University of Southern Punjab, Multan

Abstract

Localism refers to the representation of a specific region's culture, language, traditions, and social elements in literature. Colonialism degraded "Native" and "Local," portraying European civilization as superior. However, in 21st-century novels, localism has emerged as a form of resistance. Mirza Athar Baig rediscovered localism in his novel "Ghulam Bagh," portraying Pakistani society, urban and rural life, and philosophical perspectives. Mustansar Hussain Tarar also emphasized localism in "Khas, Khashak Zamanay" and "Raakh"etc.In India, Deepak Budki is a key figure in “localism”. His novels"Apna Apna Sach" and "Azadi" vividly depict Kashmir's culture, traditions, and history. His storytelling masterfully captures its landscapes, social life, and political backdrop.Budki's works make localism a living element rather than just a setting. His depiction of Kashmir's environment, people, and changing realities enhances realism, making his novels a significant contribution to Indian Urdu literature.

Keywords:
Localism, Native, Local, Depak Budki Novals, Kashmiri Localism, Social Elements Culture, Politics, Environment

لفظ "مقامی" سے اصطلاح "مقامیت" (Localism) اخذ شدہ ہے۔ اس سے مراد کسی خاص علاقے، خطے، یا ثقافت سے وابستہ ادبی، ثقافتی، سیاسی اور سماجی عناصر کو اجاگر کرنا ہے۔ یہ ایک ادبی رجحان ہے جس میں مقامی ماحول، زبان، رسوم و رواج، تہذیب و تمدن اور طرز زندگی کو پیش کیا جاتا ہے۔ مقامیت پسند ادب میں مقامی لوگوں کی زندگی، مسائل، جذبات اور تجربات کو مرکز بنایا جاتا ہے، تاکہ قارئین اس علاقے کی انفرادیت اور شناخت سے واقف ہوں۔ اس ادبی اصطلاح کا پس منظر نو آبادیاتی اور مابعد نو آبادیاتی تجربات سے جڑا ہوا ہے، جس میں مقامی لوگوں اور ان کی تہذیب کو عالمی یا نو آبادیاتی طاقتوں کے زیر اثر کمتر تصور کیا گیا۔ نو آبادیاتی دور میں یورپی استعماری طاقتوں نے مقامی ثقافت، زبان اور روایات کو پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ قرار دیا۔ استعماری نظام نے "نیٹیو" (Native) اور "مقامی" (Local) کو کمتر حیثیت دے کر یورپی تہذیب کو اعلیٰ اور قابل تقلید بنا کر پیش کیا۔ اس کے نتیجے میں مقامی لوگ اپنی شناخت اور ثقافتی ورثے سے کٹ کر احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔

نیٹیو (Native) کا مطلب کسی چیز یا فرد کا کسی مخصوص جگہ، زبان، یا ثقافت سے قدرتی طور پر تعلق ہونا ہے۔ مقامی افراد کی اساطیری تصویر اور نسل پرست تصورات کی روشنی میں "نیٹیو" کی تعریف کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ تو ان کے مطابق "نیٹیو" ایک استعماری اصطلاح ہے، جس کی بنیاد یورپی تفاخر پر رکھی گئی ہے۔ اساطیری تصویر نو آبادکار اور مقامی کے درمیان معنوی فرق پیدا کرتی ہے، جہاں یورپی افراد ان خوبیوں سے متصف ہیں جن سے مقامی افراد بالکل محروم سمجھے جاتے ہیں۔ مقامی یا نیٹیو کو ایک ایسے نیم مہذب یا وحشی فرد کے طور پر پیش کیا گیا جسے یہ یقین دلایا گیا کہ اس کے ماضی پر ندامت ہی کی جا سکتی ہے اور وہ اپنی سیاسی، تعلیمی، ادبی اور جمالیاتی معیارات کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ اس کی بقا اور ترقی کا انحصار صرف گورے صاحب پر تھا، جس کے بعد یورپی تہذیب کی تعلیم اور اقدار اس پر مسلط کی گئیں۔ نیٹیو، جو اپنی زمین اور اصل سے وابستہ تھا، استعماری حالات میں اپنی ہی زمین پر اجنبی بن گیا۔ یہ اجنبیت نیٹو کی اپنی کمزوری نہیں بلکہ استعماری نظام کا نتیجہ تھی۔ بعد میں، مقامیت کی بحالی کی تحریکیں اس اجنبیت اور کٹاؤ کو ختم کرنے کے لیے چلائی گئیں۔ نو آبادیاتی دور میں نیٹیو کو کمتر اور محتاج کے طور پر پیش کیا گیا، لیکن مابعد نو آبادیاتی دور میں یہ تصور ختم ہو چکا ہے اور مقامی آدمی کی اصل حقیقت اب سامنے آ گئی ہے۔

جہاں تک "مقامیت" کا ادب سے تعلق ہے، یہ ادبی رجحان مقامی زندگی، رسم و رواج، مسائل، اور تجربات کو ادب میں نمایاں کر کے مقامی شناخت کی بحالی اور تحفظ کا کام کرتا ہے۔ اس طرح پھر شعوری اور لاشعوری طور پر مابعد نو آبادیاتی دور میں ادیبوں اور نقادوں نے "مقامیت" کے تصور کو فروغ دینا شروع کیا تاکہ مقامی تہذیب، زبان اور روایات کو از سر نو اہمیت دی جا سکے۔ ادبی طور پر "مقامیت" کا مقصد یہی

ہوتا ہے کہ مقامی ادب اور ثقافت کو عالمی ادب کے ساتھ مقابلے میں سامنے لایا جائے، تاکہ مقامی شناخت کو نوآبادیاتی یا عالمی اثرات سے بچایا جاسکے۔ اس میں مقامی زبانوں، تہذیبوں، اور روایات کی بحالی اور ان کی اہمیت کا اعتراف شامل ہے۔یوں "مقامیت" کا پس منظر نوآبادیاتی اثرات سے بچنے اور اپنی مقامی شناخت کو اجاگر کرنے کی ایک کوشش ہے، جس میں ادب اور ثقافت کے ذریعے مقامی لوگوں کی زندگی اور تجربات کو پیش کیا جاتا ہے۔

مقامیت پسندی سادہ الفاظ میں اپنی مقامیت سے محبت اور اس کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کا جذبہ ہے۔ یہ مقامی آدمی کی اپنی ثقافت، تہذیب، زبان، اور احساسات کے ساتھ جڑت قائم کرنے کی کوشش ہے، جو عالمیت کے مقابلے میں مقامی اقدار کی حمایت کرتی ہے۔ مقامیت پسندی قومی یکجہتی، بھائی چارے، اور مقامی شناخت کی بازیافت کو فروغ دیتی ہے، جبکہ نوآبادیاتی بیگانگی اور احساس کمتری سے نجات دلاتی ہے۔

یہ فکر مقامی لوگوں کو اپنی تہذیب کی اہمیت کا احساس دلاتی ہے، جو انہیں نئی شناخت اپنانے سے روکتی ہے۔ نوآبادیاتی عہد میں ثقافتی سامراجیت اور بعد کے دور میں عالمی تسلط کے ذریعے مقامی ثقافت کو دبانے کی کوشش کی گئی، جس کے نتیجے میں بیگانگی جنم لیتی ہے۔ مقامیت پسند فکر مقامی شناخت کو بحال کرتی ہے اور اجتماعیت کی بنیاد پر لوگوں کو ایک زبان، کلچر، اور جغرافیائی حدود میں یکجا کرتی ہے۔ یہ فکر مادیت پسندی اور سیاسی استحصال کے خلاف مقامی ثقافت کی بقا کی علامت ہے، جو لوگوں میں اتحاد اور یکجہتی کو فروغ دیتی ہے۔ محمد عامر سہیل نے یوں وضاحت کی ہے:

> "مقامیت پسند نقاد ادیب کو مقامیت پسند فکر و نظریہ کا حامل ادب تخلیق کرنے کی سفارش کرتا ہے۔وہ دیکھتا ہے آیا مقامی ادیب کی فکر کسی مغربی بیانیے سے متاثر تو نہیں یا کیا اس کے مقابل متبادل بیانیہ پیش کر رہا ہے۔ اس کا متبادل بیانیہ کسی حد تک اپنی مقامیت سے جڑا ہوا ہے۔ مقامی ادیب پر یہ گہری ذمہ داری ہے وہ استعماریت، آفاقیت، عالم گیریت کے مقابل متبادل بیانیہ پیش کرے۔ یہ متبادل بیانیہ مقامیت پسندی ہے۔ اپنی دھرتی وطن، علاقہ اور خطہ جس میں ہماری جڑیں پیوست ہیں؟ اس کو اجاگر کیا جائے؛ اس پہ فخر کیا جائے اور اسے اپنایا جائے۔ایسا بھی ممکن ہے جب ادیب مقامیت پسند فکر کی ترویج کرے گا۔ یہ ترویج نعرہ بازی، انقلابیت اور شدت پسندی کے بجائے فکری حوالوں سے اس قدر مضبوط اور سنجیدہ ہو کہ مقامی آدمی استعماری بیانیہ کے مقابل اپنی مقامیت کو متبادل بیانیہ تصور کر کے اس پر فخر کرے۔"(۱)

ثقافتی مطالعات کا بنیادی مقصد ثقافتی عناصر کی شناخت ہے، جہاں ہر خطہ یا ملک اپنی منفرد پہچان رکھتا ہے۔ ثقافتی تنقید میں ادبی متون میں موجود ثقافتی مظاہر کی نشاندہی کی جاتی ہے، جو تاریخ، جغرافیہ، مذہب، ادب، زبان، اخلاق، معیشت، لباس، طور طریقے، تعلیم، رسوم و رواج، خاندان، سیاست، فن، جمالیات اور تہواروں جیسی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات پر مشتمل ہیں۔ مقامیت پسند مطالعہ ثقافتی مطالعات کا ایک ذیلی پہلو ہے، جو خاص طور پر کسی مخصوص علاقے کی ثقافت کو اجاگر کرنے اور مقامی شناخت کی بازیافت پر مرکوز ہے۔

اردو میں ارضی ثقافتی تحریک کا آغاز چند دہائیوں پہلے ہوا تھا۔ جو مغربی تہذیب کی بجائے مقامی ثقافت اور ماضی پر فخر کا پرچار کرتی ہے۔ یہ تحریک وادی سندھ کی قدیم تہذیب کی جڑوں کی تلاش اور وطن سے محبت پر زور دیتی ہے۔ ثقافت کی تشکیل زمین اور آسمان کی آمیزش سے ہوتی ہے، اور ادب کا مطالعہ بھی وطن اور دھرتی سے جڑ کر کیا جانا چاہیے۔ مقامیت پسندی ہی ارضی ثقافتی تحریک کی روح ہے۔ یہ مقامیت پسندی مشرقیت اور علاقائی تہذیبوں کی شناخت تک پھیلی ہوئی ہے اور اپنے ماضی پر فخر کا اظہار کرتی ہے۔ مقامیت پسند مطالعات میں نہ صرف مقامیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے بلکہ عالمی اور مقامی مسائل پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔ مقامی ادیب کو معاصر سیاسی اور سماجی مسائل سے آگاہ ہونا چاہیے اور انہیں ادب میں پیش کر کے حل کی واضح رائے دینا چاہیے۔ ادیب کو علاقائی تعصب سے پاک ہونا چاہیے اور مقامی و قومی ہمدردی کے ساتھ دانشوری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

مقامیت کا بنیادی مقصد "ہم جنس گری" یا "عالمی یک نواختیت" (Homogenization) اور ثقافتی اثرات کے مقابلے میں مقامی ثقافت، زبان، اور روایات کو فروغ دینا ہے۔ یہ مقامی تاریخ، رسم و رواج، اور معاشرتی زندگی کو نمایاں کرتے ہوئے ادیبوں کو اپنے ماحول کی عکاسی کا موقع فراہم کرتی ہے، جہاں زمین، مٹی، آب و ہوا، اور لوگوں کے طرزِ فکر کو اہمیت دی جاتی ہے۔ ایسا ادب نہ صرف مقامی شناخت کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ استعماریت کے خلاف مزاحمت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ تاریخی طور پر استعماریت کے اثرات نے "عالمگیریت" (Globalization) کو جنم دیا، مگر اب عالمگیریت کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کے خلاف مقامیت ایک مضبوط مزاحمتی رجحان کے طور پر ابھر رہی ہے۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر شاہد نواز لکھتے ہیں کہ:

"مقامیت کی دریافت نو عالمگیریت کے مقابلے میں مزاحمت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔"(۲)

دراصل مقامیت، عالمگیریت کا متبادل بیانیہ ہے۔ ان کے درمیان تعلق بنیادی طور پر ثقافتی، سماجی اور اقتصادی کشمکش کا ہے۔ عالمگیریت کا مقصد "یکساں بنانے کا عمل" یا عالمی یک نواختیت پیدا کرنا

ہوتا ہے۔ اس لیے مقامیت کی دریافتِ نو (Rediscovery of Locality) کو عالمگیریت کے مقابلے میں ایک مزاحمتی رجحان کے طور پر دیکھا جاتا ہے کیونکہ یہ مقامی ثقافت، روایات، اور شناخت کو اس عالمی یک نواختیت یا ہم جنس گری سے بچانے کی کوشش کرتی ہے جو عالمگیریت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ عالمی یک نواختیت جہاں ایک طرف دنیا کو قریب لا رہی ہے، وہیں یہ مقامی ثقافتوں کے لیے خطرہ بھی بن رہی ہے۔ اس کے خلاف مزاحمت کے طور پر مقامیت کو فروغ دینا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ دنیا میں ثقافتی تنوع باقی رہے اور ہر خطے کی اپنی شناخت محفوظ رہ سکے۔

مقامیت کی یہ مزاحمت کئی شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ ادب میں، مقامی کہانیاں، دیہی زندگی کی عکاسی، اور مقامی زبانوں میں تحریریں عالمگیریت کے مقابلے میں ایک ثقافتی دفاع کا کام کرتی ہیں۔ معیشت میں، مقامی صنعتوں اور دستکاری کو فروغ دے کر عالمی برانڈز کے غلبے سے تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ سیاست میں، مقامی خود مختاری کی تحریکیں اور قومی شناخت کو برقرار رکھنے کی کوششیں عالمی اثرات کے خلاف ایک دفاعی حکمتِ عملی بن جاتی ہیں۔ یوں، مقامیت کی دریافت نو دراصل عالمگیریت کے یکسانیت پیدا کرنے والے اثرات کے خلاف ایک قدرتی ردعمل ہے، جو مقامی لوگوں کو اپنی ثقافت، زبان، اور طرزِ زندگی کے تحفظ کے لیے متحرک کرتا ہے۔ یہ مزاحمت نہ صرف ثقافتی بقا کا ذریعہ بنتی ہے بلکہ ایک ایسے توازن کی تلاش بھی ہے جہاں مقامی شناخت عالمگیریت کی لہر میں کھو جانے کے بجائے اپنے وجود کو برقرار رکھ سکے۔

یہ مزاحمتی رجحان نوآبادیاتی دور کے بعد زیادہ نمایاں ہوا ہے، جب مقامی تخلیق کاروں نے اپنی زبان، ثقافت اور تہذیب کو عالمی اور سامراجی اثرات سے بچانے کے لیے مقامیت کو اپنایا۔ تخلیق کاروں کے ساتھ ساتھ مقامیت پسند نقاد پر بھی ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مقامی تہذیب، تاریخ اور ماحول کی نشاندہی کرے۔ یہ اس کا بنیادی کام ہے کہ وہ حاشیائی کرداروں کو مرکزی حیثیت دینے اور دیگر قوموں کی مقامیت کا احترام کرنے پر زور دیتا ہے۔ مقامیت پسند نقاد ہر قسم کے تشدد کی مخالفت کرتا ہے اور مکالمے کو فروغ دیتا ہے۔ وہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور ریاست کے رشتے کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ بھی مقامی ادب کے امتیازات میں شامل ہیں کہ وہ مقامی حسن و جمالیات کو اجاگر کرنا، مقامی زندگی کی عکاسی کرنا، مقامی نقطہ نظر سے چیزوں کا مشاہدہ کرنا، مقامی تاریخ کی بازیافت، مقامی رسم و رواج کو ادب میں شامل کرنا، مقامی زبان میں اظہار خیال کرنا وغیرہ مقامیت پسند نقاد کی ترجیحات ہیں۔ اسی ضمن میں ایک جگہ محمد عامر سہیل نے یوں لکھا ہے:

> "مقامی تہذیب کی دریافت، اس کے مظاہر کا بیان، مقامی ماحول کی دل آویز پیش کش، مقامی تاریخ کی بازیافت، مقامی فطری و دیہاتی مناظر، مقامی طرزِ حیات و طرزِ احساس کی نشاندہی، مقامی زبان (لفظیات) کا استعمال، مقامی آدمی کی شناخت، حاشیائی کرداروں کو مرکزی

حیثیت دینا اور دیگر قوموں کی مقامیت کا احترام مقامیت پسند نقاد کی فکری ترجیحات میں شامل ہے۔"(۳)

مقامیت پسند نقاد بھی تب یہ سب کر پائے گا جب مصنفین (فکشن نگار اور شاعر وغیرہ) اپنی تخلیقات میں یہ سب شامل کرے۔ اس حوالے سے کئی فکشن نگاروں نے اپنی تخلیقات میں مقامیت کی ترویج کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابتدائی دور میں لکھے جانے والے فکشن خاص طور پر ناول میں مقامیت جہاں اور جس شکل میں بیان کی گئی ہے۔ وہ مرعوب اور دبی دبی سی ہے۔ تقسیم کے بعد بھی یہ رویہ برقرار رہا ہے۔ زبردستی کے فیصلے ٹھوسنے کی وجہ سے مقامیت، مکانیت اور علاقائیت کو فراموش کرنے اور دبانے کی کوشش کی گئی ہے۔ دراصل علاقائیت کسی مخصوص علاقے کی سماجی، جغرافیائی اور تہذیبی شناخت کو اجاگر کرتی ہے۔ مقامیت اور علاقائیت کسی جگہ کی ثقافت، روایات، اور طرزِ زندگی کو بیان کرتے ہیں۔ مقامیت، مکانیت کے بغیر ممکن نہیں۔ پہلے کسی جگہ (مکانیت) کا تعین ہوتا ہے، پھر وہاں کی ثقافت، تاریخ اور معاشرتی تعلقات اس جگہ کو ایک خاص شناخت (مقامیت) عطا کرتے ہیں۔ ان کو ادبی اور سماجی مطالعات میں اہمیت دی جاتی ہے، خاص طور پر مقامی ادب میں جہاں جگہ کا محض ذکر نہیں بلکہ اس سے جڑی شناخت بھی بیان کی جاتی ہے۔ مختصراً، مکانیت ایک جگہ کے مادی وجود کی نمائندگی کرتی ہے، جبکہ مقامیت اس جگہ کی ثقافتی، تاریخی اور سماجی شناخت کو بیان کرتی ہے۔ عام طور پر یہ اصطلاحات مترادف کے طور پر ہی برتی جاتی ہیں۔

فکشن میں کسی بھی کردار کی شناخت، اس کی جگہ، سماجی و ثقافتی پس منظر اور اس کے تجربات سے جڑی ہوتی ہے۔ یہی اس کی "مکانی حالت" مراد لی جاتی ہے۔ جس میں کردار کی جغرافیائی، ثقافتی اور سماجی وابستگی ہے جو اس کی شناخت اور اس کے اعمال کی تشکیل میں معاون ہوتی ہے۔ مقامیت صرف جغرافیائی محل وقوع تک محدود نہیں بلکہ ایک خاص فکری اور نظریاتی پس منظر رکھتی ہے جو کسی بھی کردار یا بیانیے کی تشکیل میں شامل ہوتی ہے۔ اسی ضمن میں فرخ ندیم نے مکانی حالت (مقامیت) کو جاننے، سمجھنے اور پرکھنے کے لیے کچھ یوں کہا ہے:

> "کسی بھی کردار کی مکانی حالت کی تفہیم و تعبیر کے سلسلے میں اس کے اعمال اور جزئیات نگاری کے علاوہ اس کی زبان، نظریہ، طبقہ صنف یعنی جینڈر، رنگ و نسل، قومیت، تعلیم، پیشہ، مشاغل، شعوری حالت، جنسی و جذباتی تعلق، حیثیت، جگہ یعنی رہتل، لباس، زیورات دیکھنے اور سننے کا انداز، رفتار، خواب و خواہش، رقابت، مطابقت، مسابقت، دکھ، تکلیف اور خوشی، صحت و تندرستی، حرکات اور اس کا سفر وغیرہ بھی معاون ہوتے ہیں۔ فکشن نگار کردار نگاری کرتے ہوئے اس کردار، عورت ہو یا مرد کی مکانی حالت ہی واضح کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ایک کردار کو دوسرے سے مختلف دکھائے جانے کا عمل تقسیماتی اور

تفریقی یا تفر قاتی بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو عموی نظام تشکیل دیا جا رہا ہو، وہ کسی ثقافتی سیاست کا شعوری یا لاشعوری اظہار یہ ہو ۔ اس لیے فکشن کے موضوعات، کرداروں کے اعمال اور جزئیات نگاری کو پرکھنے سے ان کی مکانی حالت واضح ہو جاتی ہے۔ یوں تو (نیو) مارکسی، ساختیاتی، پس ساختیاتی، تانیثی، مابعد نو آبادیاتی اور مابعد جدید تصورات بالواسطہ یا بلا واسطہ مکانی تشکیلات و مسائل سے ہی سروکار رکھتے ہیں لیکن تحلیل کلام اور تحلیل نفسی کے اطلاق سے بھی لسانی تشکیلات ونفسیاتی کیفیات کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔"(۴)

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ناول میں کرداروں کے ذریعے جو مکانی تشکیل کی جا رہی ہوتی ہے، وہ کسی مخصوص ثقافتی سیاست کی نمائندگی بھی کر سکتی ہے۔ یہ ثقافتی سیاست مقامیت کے ذریعے کسی مخصوص شناخت، طبقے یا نظریے کو فروغ دینے یا چیلنج کرنے کا کام بھی کر سکتی ہے۔ اس لیے فکشن میں مقامیت صرف پس منظر کے طور پر نہیں بلکہ ایک فعال عنصر کے طور پر شامل ہوتی ہے جو کرداروں کی زندگی اور بیانیے پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے۔

اگر اکیسویں صدی کے ناول کی بات کریں تو اس میں مقامیت ایک مزاحمت کے طور پر بھی سامنے آئی ہے۔ لیکن مقامیت کو پیش کرنے کی سب سے خوبصورت شکل یہ ہے کہ پڑھنے والے کو مقامیت سے پیار ہو جائے اردو زبان میں مقامی علاقائی زبان خوشبو گھول دے، اور علاقائی ثقافتی رنگ دھنک کی طرح جھلملاتے نظر آئیں۔ ناول میں پیش کردہ مقامیت کی دل آویزی کا یہ نیا پن ناول نگار نے اپنے نقطہ نظر سے تشکیل دیا ہے۔(۵)

اکیسویں صدی کے ناولوں میں مقامیت کے عناصر ملتے ہیں۔ پاک و ہند کے مختلف مصنفین نے اپنی مقامیت کو ترجیح دے کر مقامیت کے فروغ میں اپنا ادبی کردار ادا کیا ہے۔ اس میں ایک نام مرزا اطہر بیگ کا بھی آتا ہے۔ انھوں نے جہاں کمپیوٹر لینگویج کو اردو بیانیے کا حصہ بنایا ہے، وہاں انھوں نے مقامیت کو بھی از سر نو دریافت کیا ہے۔ انہوں نے ناول "غلام باغ" میں پاکستانی معاشرت، دیہی و شہری زندگی اور فلسفیانہ و سوشیالوجیکل مقامیت کو ناول میں پیش کیا۔ اسی طرح مستنصر حسین تارڑ نے بھی ناول "خس، خاشاک زمانے" اور "راکھ" میں مقامیت کو مرعوب زدہ نہیں بلکہ دل آویز بنا کر پیش کیا ہے۔ اکیسویں صدی میں بھارت میں مقامیت کے حوالے سے "دیپک بُدکی" کا نام نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے ابتدائی دو ناول، "اپنا اپنا سچ" اور "آزادی"، اپنے علاقائی رنگ، ثقافتی پس منظر اور تہذیبی جزئیات کے باعث خصوصی مقام رکھتے ہیں۔ دیپک بُدکی کا تعلق بھارتی کشمیر سے ہے، اور انہوں نے اپنے ان ناولوں میں کشمیر کے جغرافیائی حسن، تہذیبی روایات، سماجی ارتقا اور تاریخی پس منظر کو انتہائی فنکارانہ مہارت سے پیش کیا ہے۔

دیپک بُدکی ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت کے طور پر معروف ہیں۔ وہ ۱۵ فروری ۱۹۵۰ء کو سری نگر (بھارتی کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام دیپک کمار بُدکی ہے، تاہم وہ ادبی دنیا میں اپنے قلمی نام دیپک بُدکی سے پہچانے جاتے ہیں۔ دیپک بُدکی نے ناول، افسانہ اور افسانچہ نگاری کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ان کے تخلیقی سفر کے دوران اب تک آٹھ افسانوں کے مجموعے اور دو افسانچوں کی کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ اس کے علاوہ، وہ مضمون نگاری اور تبصرہ نگاری میں بھی مہارت رکھتے ہیں، اور اس حوالے سے ان کی بارہ کتب شائع ہو چکی ہیں۔ دیپک بُدکی کے ادبی سرمائے میں دو نمایاں ناول، ''اپنا اپنا سچ'' اور ''آزادی'' شامل ہیں، جب کہ حال ہی میں ان کا تیسرا ناول ''سیندور کی سوگندھ'' بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہوا ہے۔ دیپک بُدکی کی تحریروں میں کشمیر کی فطری رعنائیوں، وہاں کے باسیوں کی زندگی، ان کے جذبات، روایات اور تغیر پذیر حالات کی عکاسی نہایت دلکش انداز میں کی گئی ہے، جس سے قاری خود کو اس خطے کی گلیوں، بازاروں اور قدرتی مناظر کے درمیان محسوس کرنے لگتا ہے۔ انہوں نے اپنی افسانوی نثر میں نہ صرف کشمیر کے جغرافیائی اور سماجی خدوخال کو اجاگر کیا ہے بلکہ وہاں کے تاریخی، سیاسی، ثقافتی اور تہذیبی پس منظر کو بھی بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے ناولوں میں مقامیت محض ایک پس منظر کے طور پر موجود نہیں بلکہ کہانی کے بنیادی عناصر میں شامل ہو کر ایک جیتے جاگتے کردار کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ دیپک بدکی کے ناول بھارتی اردو ادب میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اور مقامیت کے مطالعے کے لیے بھی ان کی تحریریں نہایت وقیع سمجھی جاتی ہیں۔

ان کا پہلا ناول ''اپنا اپنا سچ'' ۲۰۲۲ء کے اوائل میں منظرعام پر آیا، جب کہ دوسرا ناول "آزادی" اُسی سال (۲۰۲۲ء) کے اختتام پر شائع ہوا۔ ''اپنا اپنا سچ'' جموں و کشمیر کی تاریخ اور وہاں کے بدلتے ہوئے سیاسی و سماجی حالات پر مبنی ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ناول مکمل طور پر کشمیر کے پس منظر میں تخلیق کیا گیا ہے۔ چونکہ دیپک بُدکی کا تعلق بھارتی کشمیر سے ہے، وہ اسی سرزمین کے پروردہ ہیں اور وادی میں ہی ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی، اس لیے ان کی تحریروں میں فطری طور پر مقامیت کا گہرا رنگ نظر آتا ہے۔ دیپک بدکی کی ناول نگاری کا مقامیت کے تناظر میں مطالعہ ان کے فنی کمالات کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہے۔ ان کی ناولوں میں مقامیت (locality) کا عنصر اس قدر نمایاں ہے کہ وہ ان کے ادبی اظہار کو نہ صرف منفرد بناتا ہے بلکہ انہیں حقیقت سے قریب تر بھی کر دیتا ہے۔ ان کے ناولوں میں کشمیر کی فضا، وہاں کے رسم و رواج، ثقافت اور مخصوص جغرافیائی حالات اس قدر مہارت سے بُنے گئے ہیں کہ ان کے کردار اور کہانیاں مکمل طور پر مقامی رنگ میں رنگی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ دیپک بُدکی کے بیانیے میں کشمیر کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جیسے کہ وہاں کے لوگوں کی روایتیں،

رسم و رواج، قدرتی مناظر، تاریخی پہلو اور موجودہ حالات وغیرہ۔ اپنے ناول کے پیش لفظ میں خود مصنف نے لکھا ہے:

> "یہ ناول کشمیر کے تناظر میں لکھا گیا ہے اور اس کے کردار تاریخ کا حصہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ چوں کہ کشمیر کی تاریخ پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ پرانی ہے اور اس کے بارے میں مختلف تاریخ نویسوں کے خیالات تضاد سے مملو ہیں اس لیے کوشش یہ کی گئی ہے کہ اس ناول میں آنکھوں دیکھی پر زیادہ بھروسہ کیا جائے اور جو سامنے پیش آیا اسی کو سچ مان کر رقم کیا جائے۔۔"(۶)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ ناول نگاری مصنف کے لیے صرف ادبی شناخت کا ذریعہ نہیں، بلکہ اپنے وطن کشمیر کے حسن، دکھ، سماجی و سیاسی مسائل اور انسانی المیوں کو تخلیقی انداز میں اجاگر کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنف نے کشمیر کے تاریخی کرب، ہجرتوں کے دکھ، دہشت گردی کے الزامات اور ظلم و ستم کو حساس قلم سے بیان کیا ہے، اور ایک مشکل مگر بامقصد کام یعنی تاریخ کو ناول کے قالب میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

ناول کی ابتدا کشمیر کے جغرافیائی و تاریخی پس منظر سے ہوتی ہے، جس میں ستی سر جھیل کے اسطوری قصے اور جہلم کے بہاؤ کو علامتی حیثیت دی گئی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے کشمیر کی تہذیبی شناخت کو اس کی زمین اور فطری ماحول سے جوڑ کر بیان کیا ہے۔ یہ علاقائی داستانیں اور اساطیر کسی بھی قوم کی تاریخی وراثت کا حصہ ہوتی ہیں، جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ناول میں بار بار کشمیر پر ہونے والے حملوں اور قابض قوتوں کے مظالم کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ترک، مغل، افغان، ایرانی، سکھ، اور ڈوگروں کے ظلم و ستم کی داستانیں کشمیر کی تاریخ میں ایک تلخ حقیقت کے طور پر دیکھی جاتی ہیں۔ مصنف کے مطابق، ان حملوں نے کشمیری عوام کے اجتماعی شعور میں خوف کو راسخ کر دیا ہے، جو آج بھی ان کی نفسیات میں موجود ہے۔ کشمیری تہذیب کی ایک بڑی خوبی مذہبی ہم آہنگی ہے۔ ہندو، مسلمان اور سکھ اپنی عبادات کے لیے ایک ہی علاقے میں جمع ہوتے تھے، جو کشمیر کے روایتی بھائی چارے کو ظاہر کرتا ہے۔ مقامیت کی اس جھلک کو مصنف نے ہاری پربت، شیخ حمزہ مخدوم کے مزار، شارکا دیوی کے مندر اور چھٹی پادشاہی گردوارے کے حوالوں کے ذریعے مضبوطی سے پیش کیا ہے۔

ناول میں کشمیری ثقافت کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے، جس میں 'وازہ وان' (کشمیری کھانوں کی ثقافت) کو خاص طور پر اجاگر کیا گیا ہے۔ وازہ وان کشمیری مہمان نوازی کا ایک منفرد پہلو ہے اور اسے دنیا بھر میں کشمیری ثقافت کی پہچان سمجھا جاتا ہے۔ ناول میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح کھانے کی تیاری ایک طویل محنت طلب عمل ہوتا ہے اور گوشت خوروں کے لیے یہ ایک منفرد نعمت سمجھی جاتی ہے، جبکہ سبزی خور

لوگ محض دیکھنے تک محدود رہتے ہیں۔ یہ مقامیت کی ایک خوبصورت مثال ہے جو کسی بھی خطے کی تہذیب کو منفرد بناتی ہے۔ ناول میں مقامیت کو نہ صرف تاریخ اور سیاست کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے، بلکہ کشمیری عوام کی اجتماعی نفسیات، ان کے خوف، ان کی امیدوں اور ان کی تہذیبی بقا کے پس منظر میں بھی دکھایا گیا ہے۔ مقامیت کے ان پہلوؤں کو مضبوط کرنے کے لیے مصنف نے زبان و بیان میں مخصوص کشمیری اصطلاحات جیسے "وازہ وان"، "دیو بھومی"، اور "ہیتھر کی خوشبوئیں" کو شامل کیا ہے، جو کہ کشمیری تہذیب اور ثقافت کی منفرد شناخت کو ابھارتے ہیں۔

ناول میں کشمیر کی فطری خوبصورتی، وہاں کے سرسبز باغات، جھیلیں، اور پہاڑی راستے کہانی میں بار بار نمایاں ہوتے ہیں، جو کہانی کی لوکیل کو مضبوطی دیتے ہیں۔ ناول کے کردار محض خیالی پیکر نہیں بلکہ وہ مقامیت کے عکاس ہیں، ان کے لباس، زبان، طور طریقے، کھانے اور رہائش کے انداز سب کشمیر کی مقامی زندگی کے رنگوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ مصنف کشمیر کے ماحول موسم، کشمیری کھانوں اور ان کی مجموعی نفسیات کے حوالے سے ناول میں لکھتے ہیں:

> ”ساگ اور بھتہ کشمیریوں کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ دو وقت کا کھانا ملتا رہے تو کام کرنے کو جی نہیں کرتا۔ موسم ایسے ہیں کہ سال میں چار پانچ مہینے یوں ہی شدید سردیوں سے جوجھتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔“(۷)

دیپک بدکی کے ناول میں مقامیت ایک بنیادی عنصر کے طور پر نمایاں ہوتی ہے، جو کہانی کو حقیقی رنگ دینے کے ساتھ ساتھ قاری کو اس مخصوص خطے کی ثقافتی، جغرافیائی، سماجی، اور تاریخی پیچیدگیوں سے روشناس کراتی ہے۔ ان کے ناول میں کشمیر کا پس منظر، وہاں کے مخصوص رسوم و رواج، بول چال، رہن سہن، قدرتی مناظر اور مخصوص تاریخی حالات نہایت مہارت سے پیش کیے گئے ہیں، جس سے یہ کہانی محض ایک تخیلاتی بیانیہ نہیں رہتی بلکہ ایک ثقافتی اور تاریخی حوالہ بن جاتی ہے۔

ناول میں کشمیر کے تعلیمی اور سماجی حالات کو بھی مرکزیت حاصل ہے۔ اگنی اور شیتل کا ایک سکول قائم کرنا نہ صرف کشمیری سماج کی تعلیمی ترقی کی علامت ہے بلکہ یہ اس حقیقت کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ کشمیری عوام ہمیشہ سے علم اور ترقی کے خواہاں رہے ہیں۔ یہ سکول بعد میں "ہیمال کالج آف ایجوکیشن" میں تبدیل ہو جاتا ہے، جو نہ صرف مقامیت کو برقرار رکھتا ہے بلکہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ کس طرح کشمیری عوام نے اپنی محنت سے ترقی کے نئے راستے پیدا کیے ہیں۔

دیپک بدکی کے ناول میں مقامیت محض ایک پس منظر کے طور پر نہیں بلکہ کہانی کی روح کے طور پر شامل ہے۔ وہ نہ صرف کشمیر کے قدرتی حسن کو بیان کرتے ہیں بلکہ وہاں کے لوگوں کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو بھی بڑے فطری انداز میں کہانی کا حصہ بناتے ہیں۔ یہ ناول کشمیری عوام کی جدوجہد، مہاجرت، امید

اور جینے کے عزم کو مقامی رنگ میں ڈھال کر پیش کرتا ہے، جو اسے محض ایک کہانی نہیں بلکہ ایک ثقافتی اور تاریخی دستاویز کی شکل دے دیتا ہے۔ مصنف نے تاریخی اور سیاسی حالات کو بھی مقامی تناظر میں پیش کیا ہے۔ کشمیر کی جدوجہد، وہاں کے عوام کی مشکلات اور بدلتے ہوئے سیاسی حالات کو ناول کے بیانیے میں مہارت سے سمویا گیا ہے۔

بدکی نے ناول میں کشمیر کے مخصوص سماجی مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے، جیسے کہ وہاں کی معاشرتی تفریق، غربت، اور طبقاتی تقسیم وغیرہ۔ اس کے علاوہ، کشمیر کے مخصوص حالات، جیسے کہ امن و امان کے مسائل اور فوجی تسلط، وہاں کے عام لوگوں کی زندگی پر کیا اثر ڈالتے ہیں، یہ بھی ان کے ناول میں نمایاں ہے۔

دیپک بدکی نے ناول میں مقامی رسم ورواج کو بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ شادی بیاہ کی تقریبات، مذہبی رسومات، تیواروں، لوک کہانیاں اور کشمیری موسیقی کے تذکرے کہانی کو مزید جاندار بناتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کے ذکر میں بھی کشمیری ثقافت جھلکتی ہے۔ کہیں "وازوجن" (کشمیری شادی کی مخصوص ضیافت) کا ذکر ہے تو کہیں "قہوہ" کی چسکیاں لیتے کردار نظر آتے ہیں۔ یہ تمام تفصیلات ناول کے مقامیت کے عنصر کو مزید مستحکم کرتی ہیں۔ خاص طور پر مذہبی ہم آہنگی کشمیر کا ایک الگ حسن پیدا کرتی ہے۔ جو ایک مثبت پیغام بھی ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ”مسلمانوں میں بھی کئی پیروں فقروں کے مزاروں پر عقیدت کے پھول چڑھانے کا رواج ہے۔ کئی استھانوں پر تو ہندو مسلم دونوں مرادیں ماننے کے لیے حاضر ہو جاتے۔۔۔ دراصل کشمیری، وہ چاہے مسلمان ہوں یا ہندو، پیروں، فقروں اور سادھو سنتوں پر اندھا اعتماد رکھتے تھے۔“(۸)

کشمیر کی مقامیت کے اثرات ہر کردار کی انفرادیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ وہاں کے لوگ اپنی زندگی کی مشکلات کے باوجود امید اور خوشی کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے بدکی نے کشمیر کے لوگوں کی محنت، ہمت اور جذبے کو اجاگر کیا ہے، جو کشمیر کی مقامیت سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کے کرداروں کی تخلیق میں بھی مقامیت کا عنصر نمایاں ہے۔ کرداروں کے مکالمے اور زبان میں بھی مقامیت کی جھلک واضح دیکھی جا سکتی ہے۔ دیپک بدکی کے کردار عام کشمیری عوام کی طرح سوچتے، بولتے اور ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے مکالمے اور لہجے میں کشمیری ثقافت کا رنگ نمایاں ہے، جو نہ صرف کہانی کو حقیقی بناتا ہے بلکہ کشمیر کے مخصوص لب و لہجے کو بھی زندہ رکھتا ہے۔ ناول میں کشمیری محاورے اور مخصوص اصطلاحات بھی شامل کی گئی ہیں جو قاری کو اس خطے کی تہذیب اور زبان کی نزاکتوں سے آگاہ کرتی ہیں۔ ان کے کردار کشمیر کے مخصوص معاشرتی اور تہذیبی پس منظر کے عکاس ہیں، جو اپنی زندگی میں انہی رسم و

رواج، محبتوں، نفرتوں، اور مشکلات کا سامنا کرتے ہیں جن سے کشمیری عوام گزرتی ہے۔ ان کے کردار کشمیری معاشرت کے آئینہ دار ہیں، جو اپنے کلچر، عقائد، حالات اور روایتوں کے پابند ہیں۔

ناول "اپنا اپنا سچ" میں اگنی شیکھر کا کردار مہاجرت اور بے دخلی کے کرب کی نمائندگی کرتا ہے، جو کشمیر کے ہزاروں پنڈت خاندانوں کے تجربات کی عکاسی کرتا ہے۔ جموں میں مہاجرت کے بعد کے حالات، روزگار کی تلاش، رہائش کے مسائل، اور شناخت کے بحران جیسے مسائل کہانی میں حقیقت کے قریب تر محسوس ہوتے ہیں کیونکہ یہ سب اسی مخصوص خطے کے حقیقی مسائل کا حصہ رہے ہیں۔ ناول کا ایک ناول کا ایک اہم نسوانی کردار ہیمال ہے، جو کشمیری عورت کی نمائندگی کرتی ہے۔ ہیمال کی شادی کم عمری میں کر دی جاتی ہے، جو برصغیر کی روایتی سماجی ساخت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کا میکے سے سسرال جانا ایک علامتی ہجرت ہے، جو ہر لڑکی کے مقدر میں لکھی جاتی ہے۔ اس کے والد کا یہ کہنا کہ "بیٹی، جہاں تو جا رہی ہے، اب وہی تیرا گھر ہے" برصغیر کے مخصوص پدرشاہی (Patriarchal) نظام کی نمائندگی کرتا ہے، جہاں عورت کی شناخت شادی کے بعد بدل جاتی ہے۔ ہیمال کی کہانی صرف ایک فرد کی کہانی نہیں بلکہ یہ پوری کشمیری نسوانیت کی اجتماعی یادداشت کی عکاسی کرتی ہے۔

دیپک بدکی ناول میں مقامیت اور سیاست کے تناظر میں کشمیر کی تاریخ، ثقافت اور سیاسی حالات کا بھی عکس پیش کرتا ہے۔ مصنف نے کشمیر کے مخصوص جغرافیائی، سماجی اور سیاسی پس منظر کو بنیاد بنا کر ایک ایسی کہانی تخلیق کی ہے جو نہ صرف ایک خاندان کی جدوجہد کو بیان کرتی ہے بلکہ پورے خطے کے نشیب و فراز کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔ ناول میں مقامیت کا عنصر نمایاں ہے، جو کشمیر کے مخصوص طرزِ زندگی، رسوم و رواج، مقامی مسائل، اور تاریخی پس منظر کو واضح کیا ہے۔ مصنف نے نہ صرف وادی کے حسین مناظر، طرزِ زندگی اور لوگوں کی نفسیات کو پیش کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی مشکلات، نقل مکانی اور بدلتے ہوئے سیاسی حالات کو بھی کہانی کا جزو بنایا ہے۔ اگنی اور شیتل جیسے کردار وادی کے مقامی باشندوں کی نمائندگی کرتے ہیں، جو نہ صرف حالات کے جبر کا سامنا کرتے ہیں بلکہ ترقی اور خوشحالی کے خواب بھی دیکھتے ہیں۔ یہ کردار کشمیر کی روایتی جدوجہد کو علامتی طور پر پیش کرتے ہیں، جہاں امن اور استحکام کی خواہش ہمیشہ جنگ و جدل کے سائے میں دب جاتی ہے۔ سیاسی تناظر میں یہ ناول کشمیر کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کا گہرائی سے تجزیہ کرتا ہے۔ کشمیر کی سیاسی تاریخ میں بدامنی، ہجرت اور دہشت گردی جیسے عوامل اہم رہے ہیں، جنہیں ناول میں بڑی مہارت سے پیش کیا گیا ہے۔ مصنف ان حالات کی ناول میں یوں منظر کشی کرتے ہیں:

> "پاکستان نے مسلح درانداروں کو ریاست جموں و کشمیر میں بھیج دیا۔ یہ سلسلہ اپریل سے ستمبر تک چلتا رہا۔ ان درانداروں نے سری نگر کے اندر اور گرد و نواح میں فوجی کیمپوں پر حملے کیے۔ چاند ماری کے میدان میں، جہاں پہلی بار ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ کے دوران باضابطہ جنگ

لڑی گئی جو صرف مغربی سرحدوں محدود رہی دونوں ملکوں نے جنگ میں اپنی پوری فوجی طاقت کو جھونک دی۔"(۹)

ویسے ناول میں کشمیر کے سیاسی مسائل، نقل مکانی اور عسکریت پسندی جیسے حساس موضوعات کو بڑی احتیاط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے دکھایا ہے کہ کس طرح عام شہری جنگ اور سیاست کی زد میں آکر اپنی زمین، شناخت، اور سکون کھو بیٹھتے ہیں۔ ہیمال اور اس کے خاندان کو بار بار ہجرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو وادی میں جاری کشمکش اور عدم استحکام کی واضح علامت ہے۔ تاہم، مصنف نے صرف بدامنی کی تصویر کشی نہیں کی بلکہ کشمیر میں امن اور ترقی کے امکانات پر بھی روشنی ڈالی ہے، جہاں اگنی اور شیتل جیسے کردار استقامت اور محنت کے ذریعے ایک بہتر مستقبل کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ اس ناول کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ صرف ایک تاریخی دستاویز نہیں بلکہ ایک بیانیہ ہے جو سیاست کے اثرات کو عام آدمی کی زندگی میں دکھاتا ہے۔ دیپک بدکی نے ثابت کیا ہے کہ سیاست صرف اقتدار کے ایوانوں میں نہیں بلکہ عام آدمی کے گھروں، اسکولوں اور خوابوں میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ناول ایک مخصوص جغرافیائی خطے کی کہانی ہونے کے باوجود، عالمی سطح پر جنگ، ہجرت، اور ترقی کی جدوجہد کا استعارہ بھی بن جاتا ہے۔

دیپک بدکی کے دوسرے ناول "آزادی" میں بھی کشمیری مقامیت کے واضح عناصر موجود ہیں۔ یہ ناول کشمیری معاشرت، ثقافت اور رسم و رواج کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ اس میں کشمیر کی مخصوص جغرافیائی، سماجی، اور ثقافتی پہچان کو نمایاں کیا گیا ہے، جو اس علاقے کے لوگوں کی طرزِ زندگی، سوچ، اور رویوں میں جھلکتی ہے۔ مصنف نے مقامی رنگ کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے، جس سے قاری کو ایک مخصوص ماحول اور تہذیب کے اندر داخل ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ کشمیری مقامیت کی سب سے بڑی پہچان اس کے رسم و رواج اور رہن سہن میں پوشیدہ ہے۔ ناول میں دیہات کی زندگی کو جس تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، وہ کشمیر کے مخصوص دیہی پس منظر کو اجاگر کرتا ہے۔ یہاں کے لوگ قدرتی حسن کے دلدادہ ہیں اور ان کی زندگی فطرت کے قریب تر ہے۔ صبح کی چائے سے لے کر دن کے معمولات تک، ہر چیز میں مقامی انداز جھلکتا ہے۔ نانبائی کی روٹیاں، ہرے بھرے باغات، دودھ سے بنی ہوئی مخصوص کشمیری غذائیں، اور قالین بافی جیسی مقامی صنعتیں، سب اس علاقے کی انفرادیت کو ظاہر کرتی ہیں۔

ناول میں سینما جانے کی روایت کو بھی کشمیری تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں تفریح کے محدود ذرائع تھے اور فلم دیکھنا کسی تہوار سے کم نہ ہوتا تھا۔ نوجوانوں کے لیے سینما جانا کسی مہم سے کم نہ تھا، کیونکہ یہاں کی روایتی اقدار اس طرح کی تفریح کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ اس لیے طالب علم بہانے تراشتے، اور کبھی کبھار کتابیں بیچ کر ٹکٹ کے پیسے جمع کرتے تھے۔ یہ تفصیل واضح کرتی ہے کہ اس دور کے کشمیری نوجوان اپنی ثقافتی اور سماجی حدود میں رہتے ہوئے کس طرح خوشیوں کے مواقع تلاش کرتے تھے۔

کشمیری معاشرے میں ملازمت کے مواقع محدود تھے اور سرکاری نوکریاں عزت و وقار کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔ زیادہ تر لوگ دستکاری، قالین بافی، زعفران کی کاشت، یا شال بافی جیسے روایتی پیشوں سے وابستہ تھے۔گھروں میں کشمیری قالین بنائے جاتے، جنہیں بعد میں تاجروں کے ذریعے فروخت کیا جاتا تھا۔ روایتی دستکاری کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ اسے خاندانی ورثے کے طور پر اپنایا جاتا تھا، اور ہر نسل اپنے بڑوں کے ہنر کو آگے بڑھانے میں فخر محسوس کرتی تھی۔ تعلیم کے میدان میں بھی کشمیری ماحول کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ دیہی علاقوں میں تعلیمی سہولیات محدود تھیں، مگر لوگ اپنے بچوں کو پڑھانے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ اسکولوں میں بنیادی سہولتوں کا فقدان تھا، طلبہ زمین پر بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور بارش کے دنوں میں کلاس رومز کی چھتیں ٹپکنے لگتی تھیں۔ تاہم، اساتذہ کی ایمانداری اور محنت اس کمی کو پورا کر دیتی تھی۔ تعلیم کا یہ منظر نامہ کشمیر کی اس وقت کی اصل صورتحال کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

دیپک بدکی اس کی عکاسی ناول میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> ”کشمیری برہمن ہمیشہ تعلیم کو ترجیح دیتے رہے۔ چنانچہ وادی میں روزگار کے وسائل محدود تھے اس لیے قدیم زمانے ہی سے تعلیم یافتہ کشمیری پنڈت وادی چھوڑ کر سبزہ زاروں کا رخ کر لیتے۔ تاریخ گواہ ہے کہ پڑھے لکھے نوجوان مرتبہ اور روزگار پانے کی خاطر مغل، اودھ اور دکنی درباروں میں حاضری دیتے رہے۔“(۱۰)

ناول میں کشمیری سماج میں عورتوں کا کردار بھی ایک منفرد پہلو کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہاں کی خواتین عموماً شرمیلی اور روایتی اقدار کی پابند تھیں۔ بیوہ عورتیں دوسری شادی نہیں کرتیں، بلکہ اپنی بقیہ زندگی اپنے مرحوم شوہروں کی یادوں کے سہارے گزار دیتیں۔ کشمیری پنڈت خاندانوں میں یہ تصور عام تھا کہ عورت کو صرف ایک ہی شوہر کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے، اور اس کے بعد وہ اپنے خاندان کی خدمت میں مصروف ہو جاتی۔ یہ رسمیں اور روایات کشمیری ثقافت کی مخصوص پہچان کا حصہ ہیں، جو اسے دیگر علاقوں سے مختلف بناتی ہیں۔ جہیز کا مسئلہ کشمیری معاشرے میں بھی ایک اہم اور پیچیدہ معاملہ تھا۔ کشمیری پنڈت گھرانوں میں جہیز کو عزت و وقار کا مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک طرف تو والدین بیٹیوں کو جہیز دینے کی روایت سے پریشان ہوتے، دوسری طرف وہ اپنے بیٹوں کی شادی کے وقت اچھے خاصے جہیز کی توقع رکھتے تھے۔ دیناناتھ، جو کہ ایک اسکول ٹیچر تھا، اس روایت کے سخت خلاف تھا، کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جہیز کا مطالبہ کرنا سراسر ظلم ہے۔ لیکن معاشرتی دباؤ کی وجہ سے وہ خود بھی اس جال میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ یہ تضاد دراصل کشمیری سماج میں پائی جانے والی اس دوہری ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے، جہاں ایک طرف اصلاح کی بات کی جاتی ہے، اور دوسری طرف انہی روایات کی پاسداری بھی کی جاتی ہے۔

دیپک بدکی کے ناول میں مقامیت کا عنصر نہایت نمایاں ہے، جو کشمیر کی مخصوص سیاست، تاریخ،

ثقافت، جغرافیہ اور عوامی نفسیات کی عکاسی کرتا ہے۔ اس ناول کے ذریعے مصنف نے کشمیر کے سیاسی حالات، عوام کے مسائل، معاشرتی رویوں اور تاریخی واقعات کو ایک ایسے انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری خود کو کشمیر کے اس مخصوص ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ مقامیت کا بنیادی مقصد کسی علاقے کے مخصوص مسائل اور ثقافت کو واضح کرنا ہوتا ہے، اور یہ ناول اس پہلو سے بھرپور نظر آتا ہے۔

ناول میں سب سے زیادہ نمایاں پہلو کشمیر کی سیاست اور اس کے ارتقائی مراحل کا بیان ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کشمیر میں جو سیاسی حالات پیدا ہوئے، وہ کس طرح عام آدمی کی زندگی پر اثر انداز ہوئے، اور اس کے نتیجے میں کون سے نئے رجحانات نے جنم لیا، یہ سب ناول کے بیانیے میں جگہ جگہ جھلکتا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ، بخشی غلام محمد اور خواجہ شمس الدین جیسے سیاسی رہنماؤں کے کردار اور ان کی پالیسیاں ناول میں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ کشمیر کے لوگوں کے لیے شیخ عبداللہ کا کیا مقام تھا، ان کی سیاست کیسے بدلتی رہی، اور اس کے نتیجے میں کشمیر کے عوام نے کیا کھویا اور کیا پایا، یہ سب ناول میں نہایت مہارت سے بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بخشی غلام محمد کی "کھاؤ اور کھانے دو" والی پالیسی کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے، جو کشمیر میں کرپشن، اقربا پروری اور حکومتی اداروں کی تباہی کا باعث بنی۔ ناول میں موئے مبارک کی چوری جیسے تاریخی واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے، جو مقامی لوگوں کے جذبات اور احتجاجی سیاست کے رجحان کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ کشمیر میں کس طرح عوامی تحریکیں ابھرتی ہیں اور کیسے ان کے جذبات کو سیاسی فائدے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، خاص طور پر کشمیر میں سیاست میں دو نمبری کو بہت نمایاں کیا ہے۔ انتخابات میں بار بار دھاندلیوں عوام اور سرکار میں خلیج پیدا کر دی۔ سیاست دان اپنی مکاریوں سے باز نہیں آئے۔ یہ تمام پہلو ناول میں گہرائی کے ساتھ موجود ہیں۔ اس صورت حال کو مصنف ناول میں ایک جگہ یوں پیش کرتا ہے:

> "کشمیر کے سیاست دان رعایا کو ہمیشہ دھوکا دیتے رہے۔ اس کارروائی میں مرکزی سرکار ان کی پشت پناہی کرتی رہی۔ آزادی کے بعد جتنے بھی انتخابات ہوئے ان میں ہر بار دھاندلیاں ہوتی رہیں۔ کبھی جعلی ووٹروں سے زبردستی ووٹ ڈلوائے گئے، کبھی بیلٹ بکس بدلے گئے اور کبھی گنتی میں ہیرا پھیری کی گئی۔ یہاں تک کہ حزب اختلاف کے کارکنوں کو کسی نہ کسی بہانے زدو کوب کیا گیا۔ برسر اقتدار پارٹی جسے مرکزی حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی، پولیس کی مدد سے جو چاہتی وہ کروالیتی"(۱۱)

ناول میں مقامیت کا دوسرا اہم پہلو کشمیر کی مخصوص ثقافت، تہذیب اور مذہبی ہم آہنگی یا کشیدگی کا بیان ہے۔ کشمیری زبان، محاورات اور روزمرہ کے الفاظ کا استعمال ناول کے بیانیے میں جگہ جگہ نظر آتا ہے، جو اسے ایک خالص مقامی رنگ عطا کرتا ہے۔ کرداروں کی گفتگو اور لب و لہجے میں وہ مخصوص کشمیری انداز جھلکتا ہے جو ناول کو حقیقت کے قریب لے آتا ہے۔ کشمیر میں بسنے والے مختلف طبقات، جن میں

مسلمان، ہندو پنڈت، سکھ اور دیگر اقلیتیں شامل ہیں، ان کے باہمی تعلقات، ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے تجربات اور وقت کے ساتھ ان میں پیدا ہونے والی دوریاں بھی کہانی کا حصہ ہیں۔ کشمیر کی ملی جلی ثقافت اور صدیوں پرانی مذہبی ہم آہنگی کو ناول میں نمایاں کیا گیا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ان تنازعات کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو اس خطے میں کشیدگی کا باعث بنے۔ کشمیر میں ہونے والے فسادات، ہندو پنڈتوں کی ہجرت اور اس کے نتیجے میں ان کے مسائل، مسلمانوں اور پنڈتوں کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج اور ان سب کا عام آدمی کی زندگی پر اثر، یہ تمام پہلو کہانی کا ایک اہم حصہ ہیں۔

مقامیت کے ایک اور پہلو کو اگر دیکھا جائے تو ناول میں کشمیری عوام کے معاشی مسائل اور سماجی حالات کا بھی بھرپور ذکر کیا گیا ہے۔ ناول میں سرکاری کرپشن، اقربا پروری اور رشوت خوری کو بار بار نمایاں کیا گیا ہے، جو کشمیر کے مخصوص حالات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ نوکریوں میں بھرتی کے غیر منصفانہ طریقے، سرکاری اداروں میں سیاست کا عمل دخل اور عوام کی مشکلات کو ناول میں حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ہندو پنڈتوں کی بے دخلی کے بعد ان کے معاشی اور سماجی مسائل، عام کشمیری نوجوانوں کی بے روزگاری اور مستقبل سے ناامیدی، تعلیم یافتہ طبقے کا بدعنوانی کی سیاست میں الجھنا، اور عام لوگوں کی زندگیوں پر ان سب عوامل کے اثرات، یہ سب موضوعات ناول میں نظر آتے ہیں۔

اس ناول میں مقامیت کا ایک اور اہم پہلو کشمیر کے قدرتی حسن اور جغرافیائی حالات کا بیان ہے۔ مصنف نے کشمیر کے برف پوش پہاڑوں، چنار کے درختوں، دریاؤں، جھیلوں اور باغات کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ قاری خود کو اس ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ مقامی تہواروں، مذہبی رسومات، روزمرہ کی زندگی، بازاروں اور گلیوں کا ذکر بھی ناول میں تفصیل سے کیا گیا ہے، جس سے کشمیر کی ایک مکمل تصویر سامنے آتی ہے۔ خاص طور پر کشمیری موسموں کی منظر کشی، برفباری کے بعد کی خاموشی، بہار کے رنگ، خزاں میں چنار کے زرد پتوں کی بارش وغیرہ۔ دراصل مصنف ناول کے پس منظر میں کشمیر کا قدرتی حسن بار بار نمایاں کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے سرسبز و شاداب وادیاں، بہتے جھرنے، بلند پہاڑ، اور حسین جھیلوں کا ذکر کرتا ہے، جس سے اس خطے کی خوبصورتی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کہانی کے کئی مناظر ایسے ہیں جہاں فطرت کا بیان کسی شاعرانہ انداز میں کیا گیا ہے، جیسے خزاں کے موسم میں چنار کے پتوں کا گرنا یا ڈل جھیل کے پانی پر چلتی کشتیوں کا منظر وغیرہ۔ مصنف نے اس طرح کے مناظر سے مقامیت کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے، جہاں کشمیر کی وادی، اس کے دیہی ماحول، وہاں کے مخصوص حالات اور ثقافتی پہچان کو نہایت باریکی سے بیان کیا گیا ہے۔ منظر کشی اس قدر جاندار ہے کہ قاری خود کو اس تمام تر ہنگامی صورتِ حال کا حصہ محسوس کرتا ہے۔ اس افراتفری کی صورت حال مصنف اس طرح پیش کرتا ہے:

"ایک تخمینے کے مطابق کم سے کم ایک ہزار کشمیری پنڈت جاں بحق ہو گئے۔ یہ تعداد تین لاکھ نفوس پر مشتمل اس چھوٹی سی قوم کے لیے بعید القیاس تھی۔ وادی میں آئے دن احتجاجی جلوس نکلتے تھے جن پر اکثر پولیس کارروائی کرتی تھی۔ جلوس کے منتظمین کشمیری پنڈتوں کو گھر سے زبردستی نکال کر اب جلوسوں کو صف اول میں چلنے پر مجبور کر دیتے تاکہ پولیس گولی چلانے سے احتراز کرے۔ اس پر بھی پولیس گولی چلاتی یا لاٹھی چارج کرتی تو یہی لوگ مارے جاتے۔"(۱۲)

ناول نگار نے پناہ گزینوں کی بے بسی، ان کی جڑوں سے کٹنے کا کرب، اور اجنبی ماحول میں ان کی بے چینی کو شدت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اشیائے خوردنی پر ٹوٹ پڑنے والے لوگوں کا ذکر صرف ان کی جسمانی بھوک کا نہیں بلکہ اس نفسیاتی حالت کا بھی غماز ہے جس میں وہ خود کو غیر محفوظ اور غیر مستحکم محسوس کر رہے ہیں۔ یہ منظر کشی کشمیر میں بے گھر ہونے والے لوگوں کی زندگی کی حقیقتوں کو ایک ایسی شدت سے بیان کرتی ہے جو مقامیت کے تصور کو مزید گہرا کرتی ہے۔ یہ تمام تفصیلات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ کشمیر صرف ایک جغرافیائی خطہ نہیں بلکہ ایک مخصوص تہذیب، ثقافت اور طرزِ حیات کا نمائندہ ہے

ناول میں مقامیت صرف جغرافیائی حالات تک محدود نہیں بلکہ وہاں کے سماجی اور نفسیاتی اثرات کو بھی اپنے دائرے میں لے آتی ہے۔ "جڑوں سے اکھڑے لوگ" اور "اجنبی جگہ اجنبی لوگ اجنبی ماحول" جیسے جملے اس دکھ اور بے بسی کی شدت کو ظاہر کرتے ہیں جو ہجرت کرنے والے کشمیریوں کو سہنی پڑی۔ ان کا اپنی زمین، ثقافت، اور رسم و رواج سے کٹ جانا صرف ایک جغرافیائی تبدیلی نہیں بلکہ ایک وجودی بحران ہے، جہاں وہ اپنی شناخت کھوتے محسوس ہوتے ہیں۔ گرمی کی شدت اور وقت کے ساتھ بڑھتی مشکلات کو بھی ناول نگار نے اس انداز میں پیش کیا ہے کہ یہ صرف موسمی حالات کا ذکر نہیں بلکہ ایک علامتی اظہار بن جاتا ہے، جو بتاتا ہے کہ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، بے گھر ہونے والوں کے لیے مشکلات مزید بڑھتی جاتی ہیں۔ ناول کے ذریعے بدکی نے کشمیر کی مقامیت کو نہ صرف فطری اور ثقافتی سطح پر پیش کیا بلکہ اس میں شامل انسانی المیے کو بھی نمایاں کر دیا ہے۔

ناول میں موجود یہ تمام تفصیلات واضح کرتی ہیں کہ دیپک بدکی کے ناول "آزادی" میں مقامیت ایک بنیادی عنصر کے طور پر موجود ہے۔ یہ ناول نہ صرف کشمیر کے تاریخی اور سیاسی پس منظر کو بیان کرتا ہے بلکہ وہاں کے عوامی مسائل، ثقافت، زبان، مذہبی اور معاشرتی تنازعات اور جغرافیائی حسن کو بھی مؤثر انداز میں پیش کرتا ہے۔ مصنف نے کشمیر کی سیاست اور سماجی زندگی کو نہایت گہرائی سے پرکھا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کو کہانی میں مہارت کے ساتھ سمویا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ناول محض ایک کہانی نہیں بلکہ ایک تاریخی و سماجی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، جو کشمیر کی تاریخ، سیاست، ثقافت اور عوام کے جذبات کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

اس ناول میں مقامی زبان اور روزمرہ کے محاورے بھی موجود ہیں۔ کشمیری بول چال کے مخصوص الفاظ، مقامی اصطلاحات اور مقامی بولی میں بولے جانے والے محاورے اس تحریر کو کشمیری ماحول سے قریب تر بنادیتے ہیں۔ مصنف نے مکالموں میں کشمیری لب ولہجے کو برقرار رکھا ہے، جس سے کرداروں کے بیانات میں فطری پن آجاتا ہے۔

بدکی کے ناول میں کشمیری معاشرت کی گہری جھلک دکھائی دیتی ہے، جہاں سرزمین سے جڑت، ہجرت کا کرب اور ثقافتی وابستگی جیسے عناصر نمایاں ہیں۔ کردار کی یہ الجھن کہ وہ جموں جاکر بہتر زندگی گزار سکتا ہے یا اپنے آبائی وطن میں رہ کر مشکلات کا سامنا کرے، کشمیری عوام کی عمومی نفسیاتی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ صرف جغرافیائی ہجرت نہیں بلکہ شناخت کے بحران کا بھی ایک اظہار ہے۔ اس کے برعکس، محبت اور وابستگی کی جو تصویر دکھائی گئی ہے، وہ اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ کشمیری ثقافت میں تعلقات اور جذبات کس قدر اہمیت رکھتے ہیں۔ مذہبی اور سماجی تفریق کے باوجود، محبت پنپتی ہے، جو اس خطے کی مقامیت کا ایک اہم پہلو ہے۔ ایسی ہی ایک محبت کی کہانی اس ناول میں مقامیت کے تناظر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جو" مہک ملک اور گوتم سپرو" کے درمیان پروان چڑھی جس میں کشمیریت کا ہر رنگ سمایا ہوا ہے دونوں وادی کے حالات سے پریشان دکھائی دیتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو دلاسے بھی دیتے ہیں۔ اپنے اپنے خوابوں کی تکمیل میں بھی جتے ہوئے ملتے ہیں۔۔۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> " مہک، گوتم کو اپنے خطوط کے ذریعے حوصلہ رکھنے کی تلقین کرتی اور بعض اوقات اس کو ٹیلی فون پر بھی دلاسہ دینے کی کوشش کرتی۔ گوتم! تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ تمہارے خطوط سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ہمت ہار بیٹھے ہو۔ تم تو دوسروں کو جینے کا سلیقہ سکھاتے تھے۔ کہتے تھے زندگی مصیبتوں سے لڑنے کا نام ہے نہ کہ ان کے سامنے ہاتھ کھڑا کرنے کا۔ پھر یہ کیا ہے۔ خود ہی ہار بیٹھے ہو"(۱۳)

ناول کا یہ اقتباس اس سوال کو بھی جنم دیتا ہے کہ کیا ایک فرد کے لیے اپنی زمین اور ثقافت چھوڑنا ممکن ہے، یا وہ اس سے نفسیاتی طور پر ہمیشہ بندھا رہتا ہے؟ مہک اور گوتم سپرو کی گفتگو اس تضاد کو واضح کرتی ہے کہ جہاں ایک طرف ایک بہتر زندگی کی خواہش موجود ہے، وہیں دوسری طرف اپنی مٹی سے جڑے رہنے کا شدید احساس بھی ہے۔ یہ جذباتی کشمکش کشمیری عوام کے لیے ایک عمومی مسئلہ بن چکی ہے، جہاں ایک طرف سیاسی حالات انہیں ہجرت پر مجبور کرتے ہیں، تو دوسری طرف ان کی ثقافتی وابستگی انہیں اپنی زمین نہ چھوڑنے پر آمادہ رکھتی ہے۔ ناول میں کشمیری شناخت کے انہی پہلوؤں کو نہایت باریک بینی سے پیش کیا گیا ہے، جہاں محبت، قربانی، اور بے بسی کے جذبات ایک دوسرے سے ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔

ناول میں کشمیری معاشرت اور وہاں کے روایتی سماجی ڈھانچے کو واضح کیا گیا ہے۔ مہک ملک اور گوتم سپرو کا تعلق دو مختلف مذہبی پسِ منظر سے ہے، لیکن ان کے درمیان محبت اور باہمی احترام کا جذبہ کشمیری روایات کی نمائندگی کرتا ہے۔ کشمیر میں ہندو مسلم ہم آہنگی کی ایک طویل تاریخ رہی ہے، جہاں مختلف برادریوں نے ایک ساتھ زندگی گزاری ہے۔ تاہم، جدید سیاسی اور سماجی مسائل نے اس ہم آہنگی کو چیلنج کیا ہے، جسے مصنف نے ناول میں نمایاں کیا ہے۔ ناول میں مذہب کی بنیاد پر تفریق اور اس کے انسانی رشتوں پر اثرات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ گوتم ہندو ہے اور مہک مسلمان، اور ان کے درمیان موجود مذہبی رکاوٹیں سماج کے مخصوص نظریات کو آشکار کرتی ہیں۔ یہ صرف کشمیر ہی نہیں بلکہ برصغیر کے دوسرے حصوں میں بھی ایک عمومی مسئلہ ہے کہ مذہبی شناختیں اکثر ذاتی فیصلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ عسکری پسند لوگوں نے بھی مذہب کی بنیاد پر ہی گوتم سپرو کو دھمکی دی تھی۔ ناول سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> " دیکھو، آج میں تمھیں وارننگ دے کر چھوڑ رہا ہوں۔ بہتر یہ رہے گا کہ تم ڈاکٹر سے اپنے تعلقات منقطع کر دو۔ وہ مسلمان ہے اور تم ہندو۔ تم دونوں کا کوئی میل نہیں۔ پھر کیوں خواہ مخواہ تم اپنی اور اس کی زندگی برباد کرنا چاہتے ہو"(۱۴)

کشمیر میں جاری سیاسی عدم استحکام اور عسکریت پسندی کے اثرات کو بھی ناول میں اجاگر کیا گیا ہے۔ خالد بٹ کا کردار یہ ظاہر کرتا ہے کہ بعض اوقات ذاتی دشمنیاں اور مفادات مذہب کے نام پر چمکائے جاتے ہیں۔ خالد بٹ کی جانب سے مہک ملک اور گوتم سپرو کو قتل کرنا اس بات کی علامت ہے کہ کس طرح کچھ لوگ مذہب اور سیاست کا استعمال اپنے مذموم عزائم کے لیے کرتے ہیں۔ ناول میں کشمیریت کا جوہر نمایاں ہے، یعنی وہ شناخت جو مذہب سے بالاتر ہو کر ثقافت، زبان، اور جغرافیائی تاریخ پر مبنی ہے۔ مہک اور گوتم دونوں کشمیری ہیں، لیکن مذہبی بنیادوں پر تقسیم کے سبب انہیں مشکلات کا سامنا ہے۔ تاہم، ان کا ایک دوسرے کے لیے احساسِ قربت اور احترام کشمیریت کے مشترکہ ورثے کو نمایاں کرتا ہے۔

ڈاکٹر مہک ملک کا کردار کشمیری خواتین کی آزادی، خود مختاری اور سماجی پابندیوں کے خلاف جدوجہد کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ ایک تعلیم یافتہ اور خود مختار خاتون ہے جو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا چاہتی ہے، لیکن سماجی پابندیاں اسے مکمل آزادی نہیں دیتیں۔ گوتم سپرو اور مہک ملک کو جب ملی ٹنٹ نے گولیاں ماریں وہ تب بھی بہادری، استحقامت اور دلیری کے ساتھ ان کو للکارتی رہی۔ اقتباس دیکھیے:

> ” ارے درندو! انسانیت کے دشمنو تم نے آج انسان کا لہو بہایا ہے۔ مجھے نہیں معلوم تم کو آزادی ملے گی یا نہیں، مگر ہم دونوں کو تو آزادی مل گئی۔ اس مکروہ بستی سے ہمیں چھٹکارہ مل گیا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اُس جہاں میں تم جیسے مذہب کے دلال نہیں ہوں گے۔ اللہ حافظ !
> ڈاکٹر مہک چھٹپٹاتی ہوئی دونوں ملی ٹنٹوں کو مخاطب کر کے بولی اور پھر آخری سانس لے کر فرش پر لڑھک گئی۔۔۔۔ مہک اور گوتم کا خون فرش پر ہر جگہ پھیل چکا تھا۔ اس نے گوتم کو

بچانے کے لیے اس کے ارد گرد گھیر اڈال دیا تھا مگر بچا نہ سکی اور اس کارروائی میں خود بھی گولیوں کا شکار ہو گئی"(۱۵)

ناول "آزادی" میں کشمیری سماج کے اندر موجود تضادات، محبت اور انسانیت کے جذبات، اور سیاسی و سماجی دباؤ کی عکاسی کی گئی ہے۔ مقامیت کے تناظر میں یہ کہانی نہ صرف کشمیری عوام کے مسائل کو اجاگر کرتی ہے بلکہ ایک بڑے سماجی بیانیے کو بھی سامنے لاتی ہے، جہاں مذہبی، ثقافتی، اور سیاسی پیچیدگیاں انسانوں کی زندگیوں کو متاثر کرتی ہیں۔ مصنف نے اس ناول میں مقامیت کو محض پس منظر کے طور پر استعمال نہیں کیا، بلکہ اسے کہانی کا بنیادی جزو بنا کر پیش کیا ہے۔ کرداروں کے خیالات، ان کی ترجیحات، روزمرہ کی مشکلات، اور خواب سب اسی مخصوص علاقے کے ماحول سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تحریر محض ایک عام کہانی نہیں بلکہ ایک تہذیب کا مکمل خاکہ پیش کرتی ہے، جس میں کشمیر کی روایات، رسم و رواج، اور طرزِ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت باریکی سے اجاگر کیا گیا ہے۔

دیپک بدکی نے اپنے دونوں ناولوں "اپنا اپنا سچ" اور "آزادی" میں کشمیر کی ثقافت کو عمدگی سے پیش کیا ہے۔ وہ اپنے ناولوں میں کشمیری رسوم و رواج، عیدین، تہوار اور روزمرہ کی زندگی کی روایات کو اتنے خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں کہ قاری ان کو نہ صرف پڑھتا بلکہ محسوس بھی کر سکتا ہے۔ یہ مقامیت ان کے کرداروں اور کہانیوں کو مخصوص جغرافیائی اور تہذیبی پس منظر عطا کرتی ہے۔ بدکی اپنے ان کرداروں کے ذریعے وقت اور جگہ کی مخصوصیت کو اہمیت دیتے ہیں۔ وہ کرداروں کو کشمیری ماحول میں باندھ کر رکھتے ہیں، جہاں فطرت، مقامی علاقے، اور تاریخی سیاق و سباق ان کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کی تحریریں قاری کو کشمیر کی حسین وادیوں، اس کے موسموں اور روزمرہ کی زندگی کی تفصیلات سے بھرپور انداز میں متعارف کراتی ہیں۔

دیپک بدکی کے ناولوں میں کشمیر کا فطری حسن اور وہاں کا جغرافیہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وادیوں، پہاڑوں اور دریاؤں کا ذکر کرتے ہوئے وہ نہایت فصاحت سے کشمیر کی حسین مگر درد بھری تصویر کھینچتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں سرد ہوائیں، برفباری اور جھیل ڈل جیسے مناظر کے ذکر سے کشمیر کی مخصوص جغرافیائی شناخت ابھرتی ہے، جس سے ان کی کہانیاں مکمل طور پر کشمیر میں جڑی محسوس ہوتی ہیں۔

دیپک بُدکی نے اپنی تحریروں میں مقامی زبان اور اسلوب کا خوب استعمال کیا ہے، جو ان کے ناولوں کو ایک منفرد مقام دیتا ہے بلکہ ان کے ناولوں میں حقیقی رنگ بھرتا ہے۔ وہ کشمیری محاورات، اصطلاحات، الفاظ اور تشبیہوں کو اپنے ناولوں میں شامل کرتے ہیں، جس سے ان کی تحریریں زیادہ حقیقت پسندانہ اور متاثر کن بن جاتی ہیں۔ یہ زبان کی مقامیت ناول کے گہرے معانی اور ثقافتی پس منظر کو اجاگر کرتی ہے۔

کشمیر کے سیاسی حالات اور تاریخی پس منظر کو بھی بدکی کے ناولوں میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی کہانیاں ان مسائل کو بیان کرتی ہیں جن کا سامنا کشمیری عوام کو برسوں سے کرنا پڑ رہا ہے، جیسے کہ

سیاسی عدم استحکام، تنازعہ کشمیر، انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں، بے گناہ لوگوں کی اموات اور علاقے میں خوف و دہشت کا ماحول وغیرہ۔ یہ سیاسی پس منظر وہاں کے کرداروں کے جذبات اور رویوں کو متاثر کرتا ہے، اور پڑھنے والے کو ان کی جدوجہد کا احساس دلانے میں مدد کرتا ہے۔ ان ناولوں کے ذریعے وہ کشمیر کے باسیوں کی مشکلات کے ساتھ ساتھ ان کے احساسات اور خوابوں کو بھی اجاگر کرتے ہیں، جو اس خطے کی مخصوص شناخت کو مزید مستحکم کرتی ہے۔ یہ مقامیت ان کے کرداروں کے تجربات میں واضح ہوتی ہے، جو اپنی ثقافتی شناخت کے ساتھ اپنی کہانیوں میں جڑے رہتے ہیں۔ وہ اپنے ان کرداروں کے اندرونی مناظر، محبت، مایوسی اور امید کو بھی مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ مقامیت کی عکاسی انسانی تجربات کے ذریعے کی جاتی ہے، جہاں کردار اپنی ثقافتی اور سماجی زندگی کے مطابق ردعمل دیتے ہیں۔ یہ کردار نہ صرف اپنی شناخت کو تلاش کرتے ہیں بلکہ اپنی ثقافت کی اہمیت کو بھی سمجھتے ہیں۔

دیپک بُدکی کے ناولوں میں کشمیر کی ثقافت، تہذیب، مذہبی رسم و رواج اور تاریخ کا گہرا اثر ملتا ہے۔ ان کی تحریریں کشمیری تہذیب کی خوبصورتی اور پیچیدگی کو پیش کرتی ہیں، جس میں مقامی کہانیوں، روایات، اور علامتوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تشخص نہ صرف کرداروں کے ذریعے بلکہ ان کے مقامی ماحول کی عکاسی میں بھی نظر آتا ہے۔ دیپک بدکی یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کشمیر کے لوگ کس طرح اپنی قدیم روایتوں کو برقرار رکھتے ہوئے جدید دور کے چیلنجز کا سامنا کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر بات کی جائے تو دیپک بُدکی دونوں ناولوں میں ایک مکمل طور پر مقامیت سے جڑا ہوا بیانیہ پیش کرتے ہیں، جس میں کشمیری تہذیب، تاریخی پس منظر، مذہبی و ثقافتی ہم آہنگی، سیاسی کشمکش، خواتین کے مسائل اور روایتی اقدار کو واضح کیا گیا ہے۔ ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ کشمیر کی تاریخ اور موجودہ صورت حال کے درمیان ایک پل کا کام کرتا ہے، جہاں خوف اور تہذیب ایک ساتھ پروان چڑھتے ہیں۔ اس ناول کو مقامیت کے تناظر میں ایک کامیاب تخلیق قرار دیا جاسکتا ہے، جو نہ صرف کشمیری عوام کی تاریخی اور تہذیبی شناخت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ ان کے سماجی و ثقافتی ورثے کی اہمیت کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ دیپک بدکی کی ناول نگاری میں مقامیت کا پہلو ایک گہری معنویت اور ثقافتی شناخت فراہم کرتا ہے۔ ان کے ناول کشمیری زندگی کی حقیقتوں، ثقافتی تجربات، اور انسانی جذبات کی عکاسی کرتے ہیں، جو انہیں اردو ادب میں ایک منفرد مقام دیتے ہیں۔ ان کی تحریریں نہ صرف کشمیری ثقافت کو اجاگر کرتی ہیں بلکہ انسانی تجربات کی عکاسی بھی کرتی ہیں، جو کہ قاری کو ایک خاص جذباتی اور فکری سفر پر لے جاتی ہیں۔ دیپک بدکی نے ناول نگاری نے ادب میں مقامیت کو ایک نیا انداز دیا ہے، جو کہ اہم سماجی اور ثقافتی سوالات پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) محمد عامر سہیل، مقامیت پسند تنقید: پس منظر، امتیازات اور مقدمات، مشمولہ: تفہیم، (دہلی: اگست ۲۰۲۴ء)، ۱۹۲۔۱۹۱۔

(۲) ڈاکٹر شاہد نواز، اکیسویں صدی کے اردو ناول میں مقامیت کے دلآویز تشکیل، مشمولہ: سہ ماہی، ادبیات، خصوصی شمارہ اردو ناول ڈیڑھ صدی کا قصہ (حصہ دوم)، شمارہ ۲۴-۲۳ (اسلام آباد: جنوری تا جون ۲۰۲۰ء)، ۱۰۸۔

(۳) محمد عامر سہیل، مقامیت پسند تنقید: پس منظر، امتیازات اور مقدمات، مشمولہ: تفہیم، (دہلی: اگست ۲۰۲۴ء)، ۱۹۳۔

(۴) فرخ ندیم، فکشن، کلامیہ اور ثقافتی مکانیت، (لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ۶۰۔

(۵) ڈاکٹر شاہد نواز، اکیسویں صدی کے اردو ناول میں مقامیت کے دلآویز تشکیل، مشمولہ: سہ ماہی، ادبیات، خصوصی شمارہ اردو ناول ڈیڑھ صدی کا قصہ (حصہ دوم)، شمارہ ۲۴-۲۳ (اسلام آباد: جنوری تا جون ۲۰۲۰ء)، ۱۱۲۔

(۶) دیپک بُدکی، اپنا اپنا سچ، (کشمیر: جی این کے پبلی کیشنز ۲۰۲۲ء)، ۷۔

(۷) ایضاً، ۱۴ (۸) ایضاً، ۴۱ (۹) ایضاً، ۶۷۔

(۱۰) دیپک بُدکی، آزادی، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۲۲ء)، ۱۳۔

(۱۱) ایضاً، ۶۱۔ (۱۲) ایضاً، ۷۷۔ (۱۳) ایضاً، ۸۳۔

(۱۴) ایضاً، ۱۳۲۔ (۱۵) ایضاً، ۱۵۱، ۱۵۲۔

References

(1) Muhammad Aamir Sohail, *Maqamiyat Pasand Tanqeed: Pas Manzar, Imtiyazaat aur Muqaddamaat*, Mashmoola: *Tafheem*, (Dehli: Agast 2024), safha 191–192.

(2) Dr. Shahid Nawaz, *Iksawi Sadi ke Urdu Novel mein Maqamiyat ke Dil-awez Tashkeel*, Mashmoola: *Sah Mahi Adabiyat*, Khaas Shumara: *Urdu Novel Deedh Sadi ka Qissa (Hissa Doem)*, Shumara 23–24 (Islamabad: January ta June 2020), safha 108.

(3) Muhammad Aamir Sohail, *Maqamiyat Pasand Tanqeed: Pas Manzar, Imtiyazaat aur Muqaddamaat*, Mashmoola: *Tafheem*, (Dehli: Agast 2024), safha 193.

(4) Farukh Nadeem, *Fiction, Kalamiyah aur Saqafati Maqaniyat*, (Lahore: Aks Publications, 2018), safha 60.

(5) Dr. Shahid Nawaz, *Iksawi Sadi ke Urdu Novel mein Maqamiyat ke Dil-awez Tashkeel*, Mashmoola: *Sah Mahi Adabiyat*, Khaas Shumara: *Urdu Novel Deedh Sadi ka Qissa (Hissa Doem)*, Shumara 23–24 (Islamabad: January ta June 2020), safha 112.

(6) Deepak Budki, *Apna Apna Sach*, (Kashmir: GNK Publications, 2022), safha 7.

(7) ibid, p14. (8) ibid, p41. (9) ibid, p67.

(10) Deepak Budki, *Azadi*, (Dehli: Educational Publishing House, 2022), safha 13.

(11) ibid, p61.

(12) ibid, p77.

(13) ibid, p83.

(14) ibid, p132.

(15) ibid, p151–152.

❖❖❖